مملکت خداداد پاکستان اور اسلامی نظام کا قیام

(چند غلط فہمیوں کا ازالہ اور بعض عملی تجاویز)

☆ مستنیر احمد علوی

نوٹ: زیر نظر مضمون میں صاحب مقالہ نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔ ادارہ کا ان کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام ایک بہت ہی خوشنما نعرہ ہے جسے بارہا اس ملک کے اندر مختلف طالع آزماؤں نے اپنی دوکانِ سیاست چمکانے کیلئے استعمال کیا ہے یہ بھولی بھالی قوم اس فریب کے اندر بہت جلد آجاتی ہے بلکہ ۱۹۷۷ء میں تو اس قوم نے اس عظیم مقصد کیلئے خون بھی دیا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

میدان سیاست کے اندر وقتاً فوقتاً غالب رہنے والے گروہ اپنا اعتماد کھو بیٹھے ہیں اب قوم ان سے مایوس ہو چکی ہے باری باری قوم کو دھوکہ دینے اور لوٹ کھسوٹ کے علاوہ انہوں نے قوم کو کچھ نہیں دیا۔ جہاں تک سیاست میں مذہبی قیادت کا معاملہ ہے تو یہ حضرات ایک خاص انداز فکر تک محدود ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان میں بعض افراد اور تنظیمیں مخلص بھی ہیں اور سنجیدہ بھی، کسی درجہ میں Progressive بھی ہیں، مگر چونکہ یہ سب حضرات اپنے لگے بندھے دائروں سے نکلنے کیلئے تیار نہیں ہیں اس لئے عملاً سب ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

عالمی سطح پر پیدا ہونیوالی تمدنی تبدیلیوں سے الگ تھلگ رہتے ہوئے عصری تقاضوں اور

☆ گورنمنٹ کالج آف سائنس وحدت روڈ، لاہور۔

ضرور توں پہ توجہ دینے اور کان دھرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اسلام کو اس وقت عالمی سطح پر کیا چیلنج درپیش ہیں اور اسلام کے پاس ان کا حل کیا ہے ؟ ان سوالوں کا جواب ان کے پاس نہیں ہے سوچ اور فکر کے دروازے بند کر کے وقت کی آواز سے بہت دور ہیں۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ مذہبی قیادت ایک عرصہ سے پرانے قصے اور ''پدرم سلطان بود'' کا راگ الاپ رہی ہے۔ اس وقت قوم کن مسائل میں پھنسی ہوئی ہے اور کس طرح اس گرداب سے نکلے گی۔ عصر حاضر کے مالی سیاسی اور معاشرتی بحران سے نکالنے کا لائحہ عمل کسی مذہبی تنظیم یا دینی جماعت کے پاس نہیں ہے۔

یہی سبب ہے کہ قوم نے کبھی بھی مذہبی قیادت پہ اعتماد نہیں کیا اور قیام پاکستان سے لے کر اب تک کسی بھی دینی جماعت کو کبھی بھی غیر معمولی سیاسی کامیابی نصیب نہیں ہوئی بلکہ دن بدن اسمبلیوں میں علمائے دین کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ مملکت خداداد پاکستان میں تبدیلی، انقلاب اور اسلامی نظام کے حوالہ سے ہم بہت سے مغالطوں اور غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ قانون میں بہتر سے بہتر کی جستجو اور اصلاح کی گنجائش تو ہر وقت رہتی ہے اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں مگر یہاں پر اچھے قانون کی دستیابی کا معاملہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا قانون کے نفاذ کا۔۔۔ اسلامی نظام اور اسلامی قوانین کی تشکیل جدید کا معاملہ تو بہت بعد کا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو قانون ملک کے اندر اس وقت موجود ہے کیا اس کو صحیح معنوں میں نافذ کرنے کی کسی حکومت نے کوشش کی ہے ؟ موجودہ قوانین کا کتنے فیصد حصہ موثر یا حقیقی معنوں میں نافذالعمل ہے ؟ کیا اس کا جائزہ کبھی لینے کی کوشش کی گئی ہے ؟

جو قانون صحیح طور پر نافذ ہی نہ کیا جا سکا ہو اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ دیا جا سکتا ہے ؟ صحیح تشخیص کے بغیر مرض کا موثر علاج کبھی بھی ممکن نہیں ہے۔

پھر مزید ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا قانون ہی تبدیلی کا موثر اور حتمی ذریعہ ہے ؟ کیا چند

آرڈی نینس جاری کرنے سے راتوں رات معاشرہ میں تبدیلی آجائے گی۔

اس سے بھی بڑھ کر ایک اہم بات کہ کیا چند مجموعہ قوانین ہی کا نام ''اسلام'' ہے؟ایسی بہت سی باتیں ہیں جن پہ سوچ وچار کی ضرورت ہے۔

نظام کی تبدیلی اور انقلاب کا جھنڈا اٹھا کر چلنا تو بہت آسان ہے مگر عملاً سوسائٹی کو تبدیل کرنا بڑا مشکل کام ہے تمام سیاسی جماعتیں اور مذہبی رہنما عنان حکومت سنبھال کر نظام تبدیل کرنے کی آرزو رکھتے ہیں مگر اقتدار سے دور رہ کر اصلاح کے کام میں کوئی شخص شریک ہونے کیلئے تیار نہیں ہے۔

ہر سیاسی جماعت اور مذہبی رہنما نظام کی تبدیلی کیلئے اختیارات کلی حاصل کر لینے کا منتظر ہے۔افسوس کہ اس انتظار میں باون سال گزر چکے ہیں۔

یقین جانئے اس طرح تبدیلی کبھی نہیں آئے گی انتظار کے لمحے بڑھتے چلے جائیں گے۔ اور انقلاب کی منزل دور سے دور ہوتی چلی جائے گی اس ضمن میں دوسری بہت بڑی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص یا چند اشخاص خواہ کتنے ہی بااختیار کیوں نہ ہوں تبدیلی نہیں لاسکتے۔

(قانونی اعتبار سے ایک مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے زیادہ بااختیار کون ہو سکتا ہے۔ مگر دس سال بلاشرکت غیرے اقتدار پہ قابض رہنے والا ایک شخص قوم کے سامنے آنسو بہاتا رہا مگر تبدیلی نہ لاسکا) تبدیلی محض حکومت کا کام نہیں ہے، پوری قوم کو شریک کرنا پڑے گا۔اور یہ کام ست روی اور مستقل مزاجی سے ہوگا اس ملک میں سیاسی جدوجہد کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ قوم کا مزاج بدلنا ہوگا،اسے بہت کچھ بتانا اور سمجھانا ہوگا۔

اسلامی نظام اور اسلامی انقلاب تو بہت بڑی آرزو ہے۔اس سے پہلے بہت سے کرنیوالے کام ہیں۔ عوام وخاص حکومت، سیاسی، سماجی اور مذہبی تنظیمیں، مخیّر حضرات، فلاحی ادارے اور رہنمایان قوم اگر ان کاموں کی ضرورت کا احساس کرلیں اور اپنے اپنے حصہ کا کام کرنا شروع کر

دیں تو ہم آہستہ آہستہ تبدیلی کی طرف پیشرفت کر سکتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ اگر کچھ عرصہ کیلئے اسلام کا نام لئے بغیر اچھے کام کئے جائیں اور غیر ضروری دعوت و تبلیغ سے باز رہا جائے تو دین اسلام جیسی عظیم سچائی پر لوگوں کا اعتماد حال ہو سکتا ہے۔ قول و فعل کے تضاد سے معاشرے میں اسلام کی حیثیت محض ایک مذاق سی بن گئی ہے اور یہ صورت حال بڑی تشویش ناک ہے۔

تبلیغ اور دعوت کیلئے خدمت خلق سے بڑھ کر کوئی ہتھیار نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کے بوجھ کندھوں پر اٹھا کر اور خلق خدا کی خدمت کر کے دین کا پیغام دیا محض تحریر و تقریر کو اپنی دعوت کا ذریعہ نہیں بنایا۔

۲۔ معاشرے کی بنیادی اکائی گھر ہے۔ یہ ادارہ بکھر چکا ہے اولاد کی پیدائش اور ان کی تربیت بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ "کم بچے خوشحال گھرانہ" کا سلوگن مذہبی حلقوں میں پسندیدہ نہیں ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ معاشرتی استحکام اور اولاد کی مثالی تعلیم و تربیت کیلئے یہ پہلا سنگ میل ہے۔ معاشرے میں عمومی دعوت اور بالخصوص دیہات کے غیر تعلیم یافتہ افراد کے درمیان اس کی تبلیغ انتہائی ضروری ہے۔ سماجی، سیاسی اور دینی تنظیمیں معاشرتی تربیت کے اس جہاد میں اگر حکومت کا ہاتھ بٹائیں تو بہت بڑی سماجی خدمت ہو گی۔

۳۔ تین بنیادی حقوق انسانی یعنی جان، مال اور آبرو کا تحفظ اور لاء اینڈ آرڈر کا قائم کرنا حکومت کا سب سے اہم فریضہ ہے، پولیس کی نفری، تھانوں کی تعداد اور نظم و نسق کیلئے قائم کردہ انتظامی تقسیم برس ہا برس پرانی ہے۔ آبادی کے پھیلاؤ، صنعتی اور سائنسی ترقی نے بے شمار نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ ایسے حالات میں نئی انتظامی تقسیم، Police stations کی تعداد اور پولیس کی نفری میں بہت زیادہ اضافہ کی ضرورت ہے۔

فوری طور پر شاید وسائل اس امر کی اجازت نہ دیں اس لئے اس سلسلہ میں پاک افواج

کی خدمات مستعار لینے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ اگرچہ تمام معاملات میں افواج پاکستان سے ہی مدد لینا درست معلوم نہیں ہوتا مگر یہ وقت کی مجبوری ہے۔

وطن سے محبت افواج پاکستان کے مزاج کا حصہ ہے اس لئے ہمارے جیالے سپاہی ملک کی حفاظت بھی کریں گے اور اس گلشن کو سنوارنے میں بھی اپنا کردار ادا کرینگے کم از کم 25 فیصد افواج کو مذکورہ بالا مقصد کے تحت تین سال کے عبوری عرصہ کیلئے Depute کرنا ضروری ہے تاہم انتظامی امور کے ماہرین سے اس معاملہ میں مزید تفصیلات اور تجاویز پہ کام کروایا جائے تو بہت بہتر ہوگا۔

نظم و نسق کو قائم کئے بغیر صنعتی ترقی کا خواب بھی کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا جو اس وقت کے بہت بڑے مسئلہ بیروزگاری کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے۔

۴۔ جس معاشرہ میں جزاوسزا کو یقینی نہ بنایا جائے لاء اینڈ آرڈر کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ انصاف کا انتہائی سست روی سے مہیا ہونا بلکہ ناپید ہونا اس وقت ملک میں امن وامان قائم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

سستا اور جلد انصاف مہیا کرنے کیلئے پانچ سالہ معاہدہ ملازمت کے ذریعے لائق، ممتاز، دیانتدار وکلاء اور ریٹائرڈ جج صاحبان پر مشتمل ADHOC JUDICIARY SETUP تشکیل کیا جانا ضروری ہے جو ہنگامی بنیادوں پر کام کرے اور قیام پاکستان سے لیکر اب تک تمام مقدمات کے ریکارڈ کی چھان بین کر کے فیصلے سنادے۔ اور بعد میں ہر مقدمہ کی نوعیت کے مطابق ایف آئی آر کے اندراج سے لیکر آخری اپیل کے فیصلہ تک ٹائم شیڈول وضع کرنے کیلئے قانون سازی کی جائے۔

سالوں سے لٹکے ہوئے مقدمات اس وقت عدل قائم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ اس مقصد کے لئے بہت زیادہ وسائل اور مال ودولت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کیلئے STATE LAND فروخت کر کے بھی شہریوں کو انصاف مہیا کرنا پڑے تو کیا جائے۔ یہ معمولی مقصد نہیں ہے۔

۵۔ سرکاری محکموں میں مالی بد دیانتی اور کرپشن کے سبب بے دریغ قومی وسائل ضائع ہو رہے ہیں۔ رقوم کا بہت کم حصہ اصل مقاصد پہ صرف ہوتا ہے کثیر حصہ خورد برد ہو جاتا ہے۔ مالی معاملات میں احتساب کیلئے موجودہ SET UP کے اندر کام کرتے ہوئے ایک خفیہ آڈٹ ایجنسی قائم کرنے کی ضرورت ہے جو Intelligence Bureau کے طور پر کام کرے۔ اخراجات کے واؤچرز کو مخصوص طریقہ کار اور خفیہ انداز میں چیک کرے جس کے نتیجہ میں مالی بد دیانتی کا سدباب ہو سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور مراعات پہ بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر اور سرکاری محکموں کے ملازمین کے معاوضوں میں فرق روزبروز بڑھتا جا رہا ہے جس کے بہت سے قومی اور معاشرتی نقصانات ہیں۔ اس مقصد کیلئے شاید فوری طور پر مالی وسائل اجازت نہ دیں۔ ایسے حالات میں سرکاری ملازمین کیلئے Part Time بزنس کیلئے کم Mark up پر قرضوں کی دستیابی کا بندوبست کر دیا جائے تو وہ روز افزوں مہنگائی کا مقابلہ کر سکتے ہیں چھوٹے گریڈز میں کام کرنے والے ملازمین سخت مالی تنگی کا شکار ہیں۔ افلاس بہت بڑی لعنت ہے جو براہ راست اخلاق پہ اثر انداز ہوتی ہے۔

۶۔ اعلیٰ سرکاری حکام، اعلیٰ فوجی مناصب اور حکومتی عمائدین کو حاصل مراعات کے بارے میں بعض جرأت مندانہ فیصلوں کی ضرورت ہے۔ مثلاً سرکاری رہائش گاہ (ماسوائے چند مستثنیات کے) کسی صورت میں بھی دو کنال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے دس مرلہ، ایک کنال اور دو کنال میں بہت مناسب گھر بن سکتے ہیں۔ ہنگامی بنیادوں پر کام کرتے ہوئے سرکاری رہائش گاہوں میں Modification کر کے فاضل اراضی کو اہم قومی مقاصد کیلئے استعمال میں لایا جائے۔ اس طرح کار اور ٹیلیفون کے استعمال پہ جائز پابندیوں کی ضرورت ہے۔ مثلاً کوئی بھی سرکاری گاڑی (ماسوائے چند مستثنیات کے) ایک ہزار سی سی سے زیادہ نہ ہو اور ایک فرد کے پاس ایک ہی گاڑی ہو۔

غیر ضروری بیرونی ممالک کے دورے، وفود کا حجم اور ایک ہی مقصد کیلئے نئے نئے

اداروں اور محکموں کا قیام قسم کے بہت سے امور ایسے ہیں جن میں قومی امانت کے تقاضے اور خدا خوفی پیش نظر ہو تو اخراجات میں کمی ممکن ہے۔

۷۔ انتظامی امور اور ملکی نظم و نسق کو بہتر انداز میں چلانے کیلئے صوبائی خود مختاری کے دیرینہ مسئلہ کو حل کرنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے صوبوں کی تشکیل ناگزیر ہے محترم اصغر خان صاحب نے اس سلسلہ میں جو Home work کیا ہے اس سے ضرور استفادہ کیا جانا چاہیے۔

ضلع کی سطح یا ڈویژن کی سطح پر ایک ایسی لوکل گورنمنٹ جو انتظامی اعتبار سے بہت با اختیار ہو اور مرکز سے بھی اس کا تعلق مستحکم ہو، عوامی نمائندگی اور احتساب کا بھی خود کار انتظام ہو جائے تو بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ اس ضمن میں پرانا نظام مکمل طور پر ختم کر کے نئے Set up کی ضرورت ہے۔ ضروری قانون سازی کے ساتھ ساتھ انتظامی امور کی ماہرین اگر سر جوڑ کر بیٹھ جائیں تو یقیناً بہت سے راستے کھل سکتے ہیں۔

دو تہائی اکثریت رکھنے والے عوامی رہنما اگر اس قسم کے بڑے اقدامات نہیں کرینگے تو اور کون کرے گا؟

انتظامی معاملات کو درست کرنے کیلئے ہر سطح پر اختیارات کی مناسب تقسیم De-centralization اور اختیارات کے استعمال کرنے میں تجاوزات کا خاتمہ، کوٹہ اور پرمٹ کی نوازشات جیسے معاملات پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ صدر، گورنر، وزرائے اعلیٰ اور وزیر اعظم کو بھی اپنے بعض صوابدیدی اختیارات کی قربانی دینا ہوگی۔

انتظامی اصلاحات اگر اس انداز میں نہ کی گئیں تو مزید انارکی اور افراتفری پھیلے گی جو بہت خطرناک راستہ ہے کسی ایک دلخراش واقعہ پر وزیر اعلیٰ یا وزیر اعظم کا فوری طور پر پہنچنا بڑا قابل قدر جذبہ ہے۔ اسی جذبہ کا تقاضہ یہ ہے کہ نظم مملکت انقلابی بنیادوں پر تبدیل کیا جائے۔

۸۔ روز افزوں بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر موجودہ دور میں شاید تعلیم اور صحت کی سہولت

عوام کو مفت مہیا کرنا ریاست اور حکومت کے بس کی بات نہیں رہی مگر سو فیصدی ان شعبوں کو کمرشل بھی نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ اگر سیمی کمرشل بنیادوں یا ''نہ نفع نہ نقصان'' کی بنیاد پر حکومت اگر ان دونوں شعبوں میں منصوبہ بندی کرے تو یہ سہولتیں عام بھی ہو سکتی ہیں اور ان کا معیار بھی بلند ہو سکتا ہے۔ عوام تجارتی اداروں کی لوٹ کھسوٹ سے بھی بچ جائیں گے۔ مثلاً ہسپتالوں میں اگر پرچی کے 2روپے کی بجائے فیس مشورہ /20روپے رکھ دی جائے تو یہ قابل برداشت ہے۔ ادویات مفت فراہم کرنے کی بجائے اصل قیمت پر مہیا کردی جائیں تو یہ مناسب بات ہے۔ فیس مشورہ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی رقم کا کچھ حصہ ہسپتال کی خدمات کا معیار بہتر کرنے میں صرف کیا جائے اور باقی ماندہ رقم اسی ہسپتال میں کام کرنے والے ڈاکٹرز کو ان کی خدمات کے عوض صبح و شام مصروف کر کے ادا کر دی جائے ڈاکٹرز اور دیگر طبی سٹاف کا معاوضہ فی گھنٹہ کے حساب سے یا فی مریض کے حساب سے متعین کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹرز کو مناسب معاوضہ دینے کے عوض صبح وشام اس طرح مصروف کردیا جائے کہ پرائیویٹ پریکٹس کا نہ ان کے پاس وقت بچے اور نہ ہی ضرورت رہے۔ ''معاوضہ مناسب اور محاسبہ سخت'' کے اصول پر انتظامی اور مالی خود مختاری بھی دی جاسکتی ہے۔

بالکل اسی طرح تعلیمی اداروں کو بھی سو فیصدی کمرشل نہیں کیا جا سکتا جو موجودہ حکومت کی پالیسی ہے۔ حکومت کو اس مد میں بھی اخراجات برداشت کرنا پڑیں گے وگرنہ عام آدمی پر تعلیم کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ فیس میں اضافہ کے اعتبار سے گورنمنٹ کالج لاہور اور کنیرڈ کالج تو ایک خاص طبقہ کیلئے ہی مخصوص ہو گیا ہے۔ علم کے حصول کیلئے معاشرے کے اندر اس قسم کا امتیاز پیدا کرنا ذہین اور حقدار طلبہ کو اچھے اداروں سے محروم کرنا بہت بڑی ناانصافی ہے۔

موجودہ حکومتی وسائل اور مالی دشواریوں کا سبب درمیانی راستہ یہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ

کسی بھی تعلیمی ادارے کے نصف اخراجات حکومت برداشت کرے اور نصف ادارہ خود مہیا کرے۔ اس سے شاید فیسوں میں مناسب حد تک اضافہ ہو جو عام لوگوں کیلئے قابل برداشت ہو سکتا ہے۔

فی طالبعلم ماہانہ فیس۔ /100 روپے تک ہو تو کوئی ہرج نہیں ہے اس سے ادارے خود وسائل پیدا کرینگے اور کھنڈرات کی صورت سے نکل کر تعمیری ادارے بن سکتے ہیں بشرطیکہ مالی بدیانتی اور خیانت کو ختم کرنے کیلئے محاسبہ کا سخت انتظام ہو۔

فیس میں اضافہ کی نتیجہ میں حاصل ہونے والی رقم سے تعلیمی معیار میں بہتری پیدا کی جائے اور اساتذہ کو مناسب معاوضہ دیا جائے اضافی محنت کے عوض اساتذہ کا معاوضہ تنخواہ کے علاوہ فی گھنٹہ کے حساب سے یا فی طالبعلم کے حساب سے متعین کیا جاسکتا ہے۔

اساتذہ کو مناسب معاوضہ دینے کے عوض صبح و شام اس طرح مصروف کر دیا جائے کہ پرائیویٹ ٹیوشن کا نہ ان کے پاس وقت بچے اور نہ ہی ضرورت رہے۔Self-generated وسائل کے نتیجہ میں تعلیمی ادارے جدید علوم بھی متعارف کرا سکتے ہیں جو وقت کی ضرورت ہیں۔ اس وقت پرائیویٹ تعلیمی تجارتی ادارے بیرون ملک یونیورسٹیوں سے الحاق کر کے انتہائی مہنگی تعلیم مہیا کر رہے ہیں جو عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ان تعلیمی سوداگروں کے معیار اور نصاب پر حکومت کا کوئی Check نہیں ہے۔ جو شخص جہاں چاہے دو کمپیوٹر رکھ کر Management Sciences کا اپنے زعم میں بہت بڑا ادارہ بنا کر بیٹھ جاتا ہے۔

جدید ترین علوم کے سلیبس کی تیاری اور ضروری سامان (Equipment) کی فراہمی کیلئے یقیناً وسائل درکار ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام تعلیمی اداروں کو خود مختاری بھی دی جائے اور کسی درجہ میں خود انحصاری کے راستے پر بھی بتدریج گامزن کیا جائے تاکہ ہمارے تعلیمی ادارے اپاہج ہونے سے بچ سکیں۔

۹۔ بیروزگاری کے خاتمہ کیلئے موجودہ حکومت کی خود روزگار اسکیم بہت مناسب اقدام ہے۔ اس

طرح بینکوں میں موجودہ فاضل رقوم ایک اچھے مقصد کیلئے استعمال ہو سکتی ہیں مگر اس ضمن میں تکنیکی مشاورت اور پیشہ ورانہ رہنمائی کا انتظام نہ ہونے کے برابر ہے۔ نا تجربہ کار نوجوانوں کے ہاتھوں یہ رقوم ضائع بھی ہو سکتی ہیں جو مالیاتی اداروں کیلئے نقصان دہ امر ہوگا۔

افراد کو قرضہ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ حکومت اور پرائیویٹ سیکٹر مل کر مختلف کمپنیاں اور ادارے قائم کریں تو بہت سے افراد کو روزگار مل سکتا ہے اس سلسلہ میں اقتصادی ماہرین سے تجاویز طلب کی جانی چاہئیں۔

پرائیویٹ سیکٹر میں کمرشل Banking، بیمہ کمپنیاں اور مالیاتی ادارے قائم کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اس سے بعض سرمایہ کار ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور عوام الناس سے رقم ہتھیا کر رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ انٹر نیشنل بینکوں کی مختلف شاخوں کے قیام کی اجازت بھی اس طور پر مشروط کی جائے کہ وہ اپنے پاس موجود فاضل رقوم کے کچھ حصہ کو بیروزگار افراد کیلئے قرض کی فراہمی کی خاطر مخصوص کرینگے۔

انعامی سکیموں کی موجودہ شکل کہ اتفاقیہ طور پر بہت زیادہ پیسہ ہاتھ میں آجائے اجتماعی مفاد کے منافی ہے اس طرح اتفاقیہ طور پر سخت نقصان ہو جانا جس طرح کہ سٹاک مارکیٹ میں ہوتا ہے وہ بھی معاشرہ کیلئے ضرر رساں ہے۔ حکومت کو اس اتفاقی فائدہ یا اتفاقی نقصان کا سخت نوٹس لینا چاہیے اور حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔

البتہ اگر شیڈولڈ بینک کمیٹیاں ڈالنے کا کوئی محفوظ انتظام کر سکیں جیسا کہ عام طور پر محلوں اور گھروں میں ہوتا ہے تو وہ بہتر ہوگا۔ جس میں نقصان کا کوئی احتمال نہیں ہے اپنی جمع کی ہوئی پونجی کسی وقت بھی مل سکتی ہے۔ اقتصادی شعبہ میں ایک اور بہت بڑا المیہ، آج کے دور کا یہ ہے کہ ناجائز منافع پر کسی قسم کا حکومت کا کوئی Check نہیں ہے بازار میں جس طرح کوئی لوٹ مار کرنا چاہے اس کو اجازت ہے۔ کسی چیز کے بنانے پر کتنی لاگت آئی اور اب وہ بازار میں کتنے

داموں کے عوض مہیا کی جارہی ہے ؟اسی طرح کسی چیز کی قیمت خرید کتنی تھی اور اب وہ کس بھاؤ پر فروخت کی جارہی ہے ؟اس کا نہ کوئی اندازہ ہے نہ معیار اور نہ پیمانہ۔۔۔۔۔۔گویا مارکیٹ ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد ہے یہ صورت حال عام آدمی کیلئے بڑی نقصان دہ ہے۔

Marketing کا تو بہت بڑا محکمہ ہونا چاہیے جس کا Net work چھوٹے بڑے تمام قصبوں تک پھیلا ہوا ہو جو ناجائز منافع خوری کی حوصلہ شکنی کرے اور عوام الناس کو تجارتی لوٹ مار سے بچائے اسی طرح آمدنی پر ٹیکس کا معاملہ بھی دگرگوں ہے۔ایک عام چھابڑی والے شخص سے لیکر ایک بہت بڑے صنعتکار تک۔۔۔وہ بازار سے کیا کما رہا ہے ؟ اور اس پر کتنا ٹیکس دے رہا ہے ؟ یہ دونوں باتیں اندھیرے میں ہیں۔

۱۰۔پاکستان اور بھارت ایٹمی دھماکوں میں مقابلہ اور مسابقت کی بجائے اپنے اپنے ملک کی غربت سے جنگ کرتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ موت کا سامان اکٹھا کرنے کی بجائے زندگی کا سامان جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسروں کے معاملات میں غیر ضروری دلچسپی کی بجائے اپنی تمام تر توجہ تعمیر وطن پر مرکوز کرنی چاہیے۔کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کیلئے پوری قوم ان کے ساتھ مگر یہ مسئلہ بھی صبر و تحمل اور دانائی سے ہی حل ہوگا۔

افغانستان ہمارا پڑوسی ملک ہے افغان ہمارے مسلمان بھائی ہیں مگر پاک افغان سرحد کے ذریعے کچھ ''تحائف'' آتے رہتے ہیں ابھی پچھلے دنوں ہمارے ایک مقامی اخبار نے روزنامہ ''ٹیلی گراف'' کے حوالہ سے خبر دی کہ پاکستان میں عموماً اور صوبہ سرحد میں خصوصاً سمگلنگ کیوجہ سے قومی خزانہ کو سالانہ ایک کھرب کا نقصان ہوتا ہے۔

اس قسم کا معاملہ پاک بھارت سرحد کے ساتھ بھی یقیناً درپیش ہے۔اس سلسلہ میں گہرے غور و فکر اور تدبر کے ساتھ ساتھ فیصلہ کن اقدامات کی ضرورت ہے۔

۱۱۔انٹرنیشنل میڈیا کی ثقافتی یلغار اور ڈش انٹینا کلچر نوجوان نسل کیلئے مضر اثرات رکھتی ہے۔ بچوں کی توجہ تقسیم ہوتی ہے اور تعمیری سرگرمیوں میں خلل واقع ہوتا ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ ہمارے اپنے ڈرامہ نویس حضرات کے پاس بھی شاید عشق و محبت کے موضوعات کے علاوہ کوئی اور موضوع نہیں ہے۔ مکالمہ جات لکھتے وقت اس بات کا دھیان رکھا جانا چاہیے کہ گھر میں تمام عمر کے بچے اور بچیوں نے ٹی۔وی دیکھنا ہوتا ہے۔

نوجوان نسل کو اخلاقی بے راہ روی سے بچانے کیلئے شادی کا انتظام بر وقت ہونا بہت ضروری ہے۔ خدا کرے کہ ہمارے معاشی اور معاشرتی حالات اس انداز میں ڈھل جائیں کہ ہر گھرانے میں ۲۵ سال کی عمر تک لڑکے اور ۲۰ سال کی عمر تک لڑکی کی شادی کا انتظام ہو سکے۔

معاہدہ نکاح میں بچوں کی رضامندی اور خوشی کو اہمیت دی جائے اس معاملہ میں اکثر ہم غلطی کر جاتے ہیں۔ خاندانی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے والدین بچوں کی رہنمائی ضرور کریں۔ مگر آخری فیصلہ کرتے ہوئے والدین کو اگر قربانی دینا پڑے تو دے دیں بچے کو قربان نہ کریں۔ اس سلسلہ میں بچوں کی خوشی تلاش کرنے کیلئے ساری توانائیاں صرف کر دی جائیں اور یوں معاشرے کی اس بنیادی اکائی کو ایک صحت مند بنیاد فراہم کی جائے۔

جہیز کی رسم سے مکمل طور پر چھٹکارا ممکن نہیں ہے تاہم اس میں اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ باپ امیر ہو یا غریب، اپنی بیٹی کو عزت اور وقار کے ساتھ ہی رخصت کرنا چاہتا ہے اس مد میں کچھ نہ کچھ ضرور خرچ کرنا پڑتا ہے۔ تاہم اس حوالہ سے والدین کی پریشانیوں کا حل تلاش کیا جائے۔

اس مقصد کیلئے قومی جہیز بینک کے قیام کی اشد ضرورت ہے۔ یہ ادارہ سیمی کمرشل بنیادوں پر کام کرے اور آسان شرائط پر ضرورت مند گھرانوں کو قرض فراہم کرے۔ Volume اور Paid capital کے اعتبار سے یہ ملک کا سب سے بڑا بینک ہو مذہبی رہنما، سیاسی تنظیمیں،

مخیر حضرات اور رفاہی ادارے اس کیلئے عطیات بھی دیں اور Investment بھی کریں اس ادارے کا فیض عام پورے معاشرے کیلئے جاری رہے۔ اس بینک کی برانچیں گلی محلے سے لیکر وفاقی سطح تک قائم کی جائیں محض جہیز کی وجہ سے قوم کی جو بیٹیاں گھروں سے رخصت نہیں ہو سکتیں ان کی باوقار رخصتی کا انتظام کیا جائے۔

شادی بیاہ کی غیر ضروری رسومات کا بھی کلی طور پر خاتمہ ممکن نہیں ہے البتہ کمی کر کے آہستہ آہستہ سادگی اور توازن کی طرف لایا جا سکتا ہے۔ شادی بیاہ کی تقریب میں مکمل طور پر کھانا کھلانے پر پابندی غیر منطقی ہے۔ شادی کی خوشی میں چھوٹی سے دعوت اور کھانے کا اہتمام سنت رسولؐ ہے۔

البتہ ضیافتوں میں سادہ کھانا دینے اور سادہ کھانا کھانے کی اخلاقی جرات پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ دالیں اور سبزیاں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اجتماعی کھانوں میں انہیں بھی دستر خوان کی زینت بننا چاہیے۔

۱۲۔ ٹرانسپورٹ کے سلسلہ میں عام شہری چھوٹے شہروں میں بالعموم اور بڑے شہروں میں بالخصوص سخت جسمانی اذیت اور ذہنی کوفت کا شکار ہے۔ Luxury بسوں کو درآمد کرنے کی بجائے سادہ اور سستی ٹرانسپورٹ عوام کی ضرورت ہے جو کم لاگت سے بازار میں لائی جا سکتی ہے۔

پرانے انجنوں کو بھی قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے۔ سادہ، معیاری اور سستی باڈیاں بھی تیار ہو سکتی ہیں۔ پرائیویٹ سیکٹر کو اگر یہ کام دیا جائے تو بآسانی ہو سکتا ہے حکومت کی صرف توجہ اور سرپرستی درکار ہے۔

۱۳۔ ٹرانسپورٹ کے بعد ایک انتہائی اہم مسئلہ مکانات کی تعمیر اور نئی ہاؤسنگ اسکیموں کا ہے۔ بڑے شہروں میں تمام سہولیات کا اکٹھا ہونا، ان کا بغیر کسی حدو حساب کے پھیلاؤ دن بدن انتظامی مشکلات پیدا کر رہا ہے۔

ہاؤسنگ اور گھر کی فراہمی کے حوالہ سے انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے۔ ضلعی ہیڈ

کوارٹرز اور ڈویژنل سطح کے شہروں میں بتدریج سہولتیں جمع کر کے انہیں مرکز نگاہ بنایا جائے تو کسی درجہ میں بڑے شہروں کے پھیلاؤ کو روکا جاسکتا ہے۔اسی طرح Twin cities کے قیام میں بھی انتظامی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

نئے شہروں کی آبادکاری کے سلسلہ میں اگر صحت افزا مقامات پر صرف بجلی فراہم کر دی جائے تو وہاں پر ایک نیا جہان آباد کیا جاسکتا ہے۔ بہاولپور کے علاقہ چولستان اور صوبہ بلوچستان کے بے آباد علاقوں میں بڑی شاہرات گزاری جائیں تو نئے شہروں کی آبادی کے راستے کھل سکتے ہیں۔

۱۴۔ ہمارے ملک میں ایسی موٹرویز اور شاہراؤں کی ضرورت ہے جو شہروں اور بستیوں کے رابطے کا ذریعہ ہوں ایسی موٹرویز جو چھوٹی بستیوں اور چھوٹے شہروں کے اوپر اوپر سے گزر جائیں غالباً ابھی ہماری ضرورت نہیں۔

رفتار کی تیزی کو یقینی بنانے کی بجائے شہریوں کی سلامتی کو یقینی بنایا جائے۔ ملک میں موجود تمام چھوٹی اور بڑی سڑکوں کو دورویہ (Double) کر دینا بہت بڑا کام ہے۔اس مقصد کیلئے بیرونی سرمایہ کاری موٹرویز کی طرز پر کی جاسکتی ہے جس کا Toll Tax آسانی سے شہری ادا کر لیں گے بشرطیکہ تعمیر کے اخراجات کو معقول اور متوازن رکھا جائے۔ بڑی بڑی موٹرویز کی بجائے پہلے سے موجودہ سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کی ضرورت ہے۔

۱۵۔ توانائی پیدا کرنا صحیح استعمال اور اس کی بچت وقت کی ضرورت ہے۔ کالا باغ ڈیم کی تعمیر ناگزیر ہے۔ موجودہ حکومت نے بجلی چوری کا سدباب کرنے کی کافی حد تک کامیاب کوشش کی ہے جو قابل تحسین ہے۔ بجلی کی بچت کیلئے ایئر کنڈیشنر کے استعمال پر پابندی لگادی جائے اور اس کی جگہ پر Desert Coolers استعمال کئے جائیں۔

ان کولرز کی قدرتی ٹھنڈک صحت کو بھی بچائے گی، توانائی بھی اور پیسے بھی۔۔۔ بچنے والی فاضل توانائی کو دیہات، نئے شہروں کی آبادکاری اور صنعت کے فروغ کیلئے استعمال کیا جائے۔

۱۶۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے خوشحالی پاکستان، خوشحال کاشتکاری ہی بنا سکے گا۔ زرعی قرضوں کے حصول میں مزید آسانی اور کسانوں کیلئے Relief Packages اور بھی وقتاً فوقتاً آتے رہیں تو بہتر

رہے گا۔ پہلے سے جاری شدہ قرضوں کی وصولی کا بھی بہتر انتظام ہونا چاہیے۔

مملکت میں موجودہ تمام بے آباد بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے کیلئے ہنگامی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت Probation Period کے طور پر دس سال کے پٹے پر اگر یہ زمین آسان شرائط پر بے زمین کاشتکاروں کو الاٹ کر دی جائے تو بہت سے مثبت نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ بعد میں مالکانہ حقوق بھی آسان اقساط کے عوض دیئے جاسکتے ہیں۔

مگر یہ کام پورے ملک میں ایک ساتھ اور جامع منصوبہ بندی سے ایک ساتھ کیا جانا چاہیے تاکہ تمام بے زمین کاشتکار اس سہولت سے استفادہ کر سکیں۔

بہتر سے بہتر کی جستجو کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ قومی تعمیر کے موضوع پر مزید بہت سوچنے اور کرنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ ان تجاویز پر عملدرآمد کرنے میں بہت سی فنی اور مالی مشکلات درپیش ہیں مگر یہ کام ناممکن نہیں ہیں صرف نیت کا اخلاص اور ارادہ کی پختگی درکار ہے۔ اپنی ذات کیلئے آسانیاں فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کا احساس پیدا ہو جائے تو یہ کام بآسانی پیدا ہو سکتے ہیں۔

حکومت اور عوام مل جل کر بعض انقلابی تبدیلیوں کا عزم مصمم کرلیں تو کامیابی دور نہیں۔ ذاتی مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کرنے کیلئے اگر ہم آمادہ ہو سکیں تو منزل بہت آسان ہے۔

ایک آدم کی سبھی اولاد ہیں　　کچھ تو خوش ہیں اور کچھ ناشاد ہیں
جرم ان کا کیا ہے جو برباد ہیں　　تو زمانے کے اصولوں کو بدل

دوسروں کا احساس کرنا، دوسروں کیلئے آسانیاں پیدا کرنا اور دوسروں سے محبت ہی مذہب اور اخلاق کی جان ہے۔ یہی اسلامی نظام ہے اور یہی نظام مصطفیؐ ہے۔

OOOOO